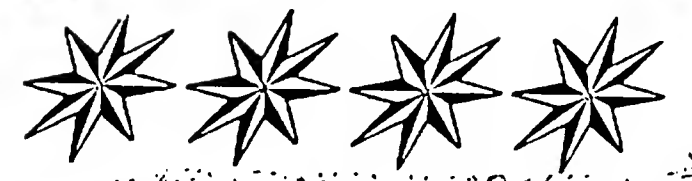


کھلتے تریلے سے صحنِ چمن میں ہزار پھول
لیکن کہاں نصیب تنہا میں چار پھول



مالک

ایک سی لگن



”اف یہ آتش تو میرا داغ خراب کر دے گا۔“
وہ مسلسل بڑبڑاتے جاری تھے اور تیزی سے کتابیں
کھولتی جارہی تھیں۔

”کیا ہو گیا؟ اب کیا آفت آئی ہے؟“ نادیا اس
کے لیے ناشتالائی تو اسے بڑبڑاتے دیکھ کر جھنجھکی
”کل پیپر ہے میرا اور یہ آتش کہیں نہیں مل
رہا۔“ اس نے بصرہ نگاروں پر مشتمل کتاب کھولی تو
اس میں آتش نہیں تھا۔

”اف میرے خدا آتش ہی تو امپورٹمنٹ ہے اور
وہی نہیں مل رہا۔“ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

”یہ اتنی کتابیں کہاں سے آئیں؟“ نادیا نے
کتابوں کا دھیر دھیر دیکھا تو حیران ہوئی۔

”بس ادھر ادھر سے جمع کی ہیں مگر آتش ہی نہیں
ہے باقی سب تو یاد کر کے ہیں ایک وہی رہ گیا ہے۔“

”تو جو اتنے سارے یاد کیے ہیں وہی لکھ آتا۔“
نادیا نے چائے کا کپ اسے پکڑ لیا۔

”کیا پتا وہی آجائے اور پھر اتنا سارا نام ہے تو ایک
یاد ہی کر لوں تمہارے پاس بھی تو بکس تھیں ناشاعروں

کی۔“ اسے ایک دم سے یاد آگیا۔
”تھیں تو مگر وہ میں نے ساٹھ کو دے دیں۔ وہ تھرڈ

ایئر میں گئی ہے نا۔“ نادیا نے کہا تو پھر اس کا منہ بن گیا۔
”اب کہاں سے ڈھونڈوں آتش کو میں؟“ وہ پھر

سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔
”آگیا۔“ نادیا نے چٹکی بجائی۔

”کیا آتش؟“ وہ چٹکی۔
”نہیں سعد کے پاس بھی کچھ کتابیں ہیں تم وہ دیکھ

لو شاید اس میں ہوں یہ شاعر واعر وغیرہ۔“
”ہاں نادیا تم کتنی اچھی ہو۔ پہلے نہیں بتا سکتی

تھیں۔ ایسے ہی میں خوار ہوتی رہی پہلے ہی اس کی
لابرری میں دیکھ لیتی میں ابھی جاتی ہوں۔“ مگر وہ جتنی

تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تھی اتنی ہی تیزی
سے رک گئی۔

”وہ آفس چلا گیا کہ نہیں؟“ اس کے پوچھنے پر
نادیا کو ہنسی آگئی۔

”ویسے تو تم بڑی بولڈ بنتی ہو۔ اب اس سے کتابیں
نہیں مانگ سکتیں۔“

”پلیز نادیا تم لاؤنا پلیز۔“ وہ ملتی ہوئی۔
”چھا میں جاتی ہوں۔“ وہ دروازہ کھول کر چلی گئی

مگر تھوڑی دیر بعد ہی آگئی۔
”بھی وہ کہہ رہا ہے کہ خود ہی آکر دیکھ لو اب میں

اتنی ساری کتابیں تو نہیں لکھ سکتی نا۔“
”تم کبھی کچھ کر سکتی ہو یا نہیں۔“ وہ جھنجھکی

”تو کیا ہالیوڈ پر جڑھ جاؤں سارے گھر کے کام میں
ہی کرتی ہوں تم تو صرف صفائی کرتی ہو وہ بھی جب

سے پیپر ہو رہے ہیں تب سے فارغ ہو حالانکہ یاد کرتی
نہیں ہو بس میوزک سنتی جاتی ہو اور پھر کہتی ہو کہ میں

کچھ کرتی نہیں ہوں ارے لی لی اگر تمہیں اتنے کام
کرنے پڑیں تو تب میں مانوں کہ تم بھی کوئی چیز ہو۔“ وہ

بولتے ہوئے کمرے میں بکھری اشیاء بھی مناسب
جگہوں پر رکھتی جارہی تھی جب کہ وہ کب کی کمرے

سے باہر جا چکی تھی۔
”اب بولو مانتی ہو مجھے کہ نہیں۔“ وہ بستر تہہ کر

کے پلٹی تو وہ اکیلی تھی۔
”یہ سعدیہ کی بیٹی بھی بس۔“ وہ ناشتے کے برتن

سمیٹ کر پین کی طرف چلی آئی۔
”آجاؤ بھی۔“ تین مرتبہ دستک دے کر وہ ہیں

کھڑی رہی جب تک کہ اس نے آواز نہ دے ڈالی۔
”سعد! وہ مجھے کچھ کتابیں چاہئے میں تمہاری

لابرری میرا مطلب ہے کہ الماری میں دیکھ لوں؟“ وہ
اپنی دھن میں کہہ کر اس کی طرف دیکھنے لگی تو جھل سی

ہو گئی۔
”مگر اس وقت اسٹور روم لگ رہا تھا اور سعد بنیان

جینز بنے سارے کپڑے بیڈ پر پھیلا کر بیٹھا ہوا کچھ
تلاش کر رہا تھا اس کے چپ ہو جانے پر اسے گھورنے

لگا۔
”دیکھ لو مگر میں اپنی شرٹ ڈھونڈ رہا ہوں تم ذرا مدد

کر دو۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
”کون سے رنگ کی شرٹ؟“ اس کی جگہ پر وہ بیٹھ

لا اور اس ڈبیر میں سے کپڑے چھانٹنے لگی۔
”کالے رنگ کی۔“ وہ الماری کھول کر کتابوں کو

بٹھاتا ہوا اس کی ایک الماری کتابوں سے بھری ہوئی
تھی۔

”کس قسم کی کتاب چاہئے تمہیں؟“ وہ مڑ کر
پوچھنے لگا۔

”جس میں آتش ہو۔“ وہ شرٹ ڈھونڈنے میں
مصروف تھی۔

”آتش تو صرف اپنی قبر میں ہی مل سکتا ہے۔“ وہ
شرارتی لہجے میں بولا۔

”میرا مطلب ہے کہ جس میں شاعر آتش کے
بارے میں لکھا ہوا ہو۔“ اسے شرٹ مل گئی تھی اور

اپنے ہٹن چیک کر رہی تھی کہ سعد کی شرٹس میں
”ہاں“ کا مسئلہ رہتا تھا۔

”کیا لکھا ہوا ہو۔ بھی “آتش“ کے بارے میں
مجموعے سے زیادہ کون جانتا ہے۔ ہماری کچھلی گلی میں

ماننے کی لائن میں تیسرے والے گھر میں رہتا ہے۔
امام کریم پویشن، عمر بس ٹھیک ٹھاک، مشاغل لگانے سننا

اور کرکٹ کھیلنا، اکثر ہمارے گھر آکر تاش بھی کھیلتا ہے،
ایسے تم اتنی بے چین کیوں ہو اس کے بارے میں

ہانے کے لیے؟“ وہ اپنے دوست آتش کے بارے
میں بتاتے بتاتے آخر میں شرارتی ہو گیا۔

”سعد کے بچے میں نے کہا نا مجھے شاعر کے بارے
میں جانا ہے تمہارے پچھلے سے دوست آتش کے

بارے میں نہیں سمجھے۔“ وہ آگ بگولا ہو گئی۔
”دیکھو بھی دوست تک پہنچنے کی نہیں ہو رہی

ایسے تو مجھے تمہاری وہ سہیلی بھی اچھی نہیں لگتی جو بڑی
گان سے مجھے بھائی جان کہتی ہے۔“ وہ اس کی بات پر

پہنچا تھا۔
”اچھا تبھی تو میں کہوں کہ اسے دیکھتے ہی تم ادھر

ادھر کیوں ہو جاتے ہو۔ بہت برا لگتا ہے تمہیں اس کا
بھائی جان کہنا۔“ اس نے بھی بھائی جان پر زور دیا تو وہ

خس دیا۔
”خیر ویسے بھائی جان تو تمہارے منہ سے بھی بہت

اچھا لگتا ہے اگر بھائی غائب کر دو تو۔“ وہ کہہ کر تیزی
سے پیچھے ہٹ گیا۔

”سعد اب تم نہیں بچو گے مجھ سے۔“ وہ بیڈ پر
رکھی شرٹس کا گولا بنا کر اس کے اوپر پھینکنے لگی۔

”ارے بھی کیا ہو رہا ہے یہ؟“ نادیا اندر آئی تو ان
دونوں کو اس طرح لڑتے دیکھ کر بوکھلا گئی۔ اب تو فرش

پر بھی کپڑے ہی کپڑے تھے۔
”نادیا! یہ چلا جائے تو مجھے بتانا میں بکس لے کر

آؤں گی۔“ وہ باہر جانے لگی۔
”ارے سنو بھی میری شرٹ پر ہٹن تو لگاؤ۔“ وہ

اس کے پیچھے آگیا۔ وہ نمبر ڈائل کر رہی تھی۔
”کسے فون کر رہی ہو؟“ وہ سامنے آگیا۔

”اپنی سہیلی کو بلارہی ہوں۔“ وہ پھر ڈائل کرنے
لگی۔

”صرف تین ہٹن تو لگانے ہیں وہ تو تم سے بھی لگ
جائیں گے اس کے لیے سہیلی کو بلانے کی کیا ضرورت

ہے۔“ جیسے ہی کل ملی سعد نے کل ڈس کنکٹ
کر دی۔

”سعد! آئی ویل کل یو۔“ وہ ریسورر رکھ کر غرائی۔
”کر دینا بابا قل مگر آج نہیں آج بہت اہم میٹنگ

ہے مجھے جلدی پہنچنا ہے۔ رپویشن کا سوال ہے
جلدی کرو۔“ وہ شرٹ لے کر ہٹن ٹانگنے کے لیے دوبارہ

اس کے کمرے میں چلی گئی جب کہ وہ اسی جلیے میں
ڈاننگ ٹیبل پر ناشتے کے لیے بیٹھ گیا۔

”یہ لو۔“ شرٹ اسے تھمائی۔
”تھنک یو میری کزن تم کتنی اچھی کزن ہو۔ اللہ

سب کو ایسی کزن دے جو اتنا خیال رکھتی ہو۔“ وہ یقیناً
کچھ اور کہنے والی تھا مگر بات پلٹ گیا۔

”اور ہاں کتابیں لے لینا مگر میری وارڈروب بھی
ٹھیک کر دینا ہاں۔“

وہ آفس چلا گیا اور وہ اس کے کمرے سے کتابیں
لے کر اپنے کمرے میں آگئی۔ سعد کا کمرہ ویسے ہی پھیلا

ہوا تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ نادیا ٹھیک کر دے گی۔ سو
وہ ہلکی آواز میں ڈیک آن کر کے یاد کرنے لگی جب کہ

ادھر نادیا غصے میں بڑبڑاتے ہوئے سعد کی وارڈ روب ٹھیک کر رہی تھی۔

وہ آخری پیپر دیے کر آئی تو بہت جھکی ہوئی تھی۔ نیند بھی بہت آ رہی تھی سو وہ کپڑے تبدیل کر کے جو سوئی تو اندھیرا پھیلنے پر ہی انھی نادیا کو بھی اس نے منع کر دیا تھا کہ وہ کھانا نہیں کھائے گی مگر اب اٹھنے کے بعد اس کی بھوک جاگ اٹھی تھی۔ صبح ناشتا بھی ٹھیک سے نہیں کیا تھا اور دوسرے کھانا گول فریش ہو کر نیچے آئی تو سب بچے لاؤنج میں سعد کی قیادت میں ٹام لینڈ جیری دیکھ رہے تھے وہ بھی صوفے پر بیٹھ گئی۔

سعد نے اسے بھرپور نظروں سے دیکھا۔ وہ صوفے پر اپنے اسٹائل میں پاؤں اور کیے گھٹنوں پر ٹھوڑی جمائے بیٹھی تھی اور بڑے اٹھاک سے کارٹون دیکھ رہی تھی اسے سعد کی پریش نظروں کا بھی احساس نہیں تھا جو کہ بڑی دیر سے اسی پر تکی ہوئی تھیں۔

”چاچو! آؤں کریم کھلانے چلیں گے نا؟“ کارٹون ختم ہوئے تو عمر اس کے پاس آیا تو وہ چونکا۔

”ہوں۔ ہاں بیٹا چلیں گے مگر کھانے کے بعد اپنی پھوپھو سے کہو کہ آج ان کے پیپر ختم ہونے کی خوشی میں ہم انہیں آؤں کریم کھلائیں گے۔“

اس نے سعدیہ کو دیکھا جو ابھی بھی ٹی وی پر نظر جمائے ہوئے تھی اور جو سب سن رہی تھی مگر انجان بنی ہوئی تھی۔

”پھوپھو! چلیں گی نا؟“ گڑیا اس کے پاس آئی تو اس نے گڑیا کو گود میں بٹھالیا۔

”کہاں بیٹا؟“ وہ اس کی بے خبری پر جل گیا۔

”جنت میں۔“ نادیا تھل میں چاؤل لے کر آئی اور چننے لگی۔

”آؤں کریم کھانے۔“ چھوٹا عمر بھی آؤں کریم کا نام سن کر اٹھا۔

”ضرور چلیں گے مگر آؤں کریم کون کھلا رہا ہے؟“ نادیا نے اس کے بدلے جواب دیا۔

”سعد چاچو کھلا رہے ہیں۔“ عمر بولا۔

”اگر خیر یہ آج سوچ کہاں سے نکلا ہے۔“ سعدیہ کے کہنے پر سعد نے اسے گھورا تو وہ نظریں ڈالتی۔

”اب اتنا بھی کجوس نہیں ہوں کہ تمہیں آؤں کریم نہ کھلا سکوں۔“ وہ اس کی بات پر گویا توے پر جا بیٹھا تھا۔

”او کے سیز فائر اب لڑنا بند کرو کیا بچوں کی طرح لڑنے بیٹھ جاتے ہو۔“ نادیا تھل لے کر چن میں چلی گئی تو وہ بھی اس کی مدد کرنے اس کے پیچھے چلی آئی۔

”کیا بتا رہی ہو؟“ وہ سلاڈ کھانے لگی۔

”مشریلاؤ اور کباب یہ رات کے لیے ہے۔“ نادیا نے بتاتے ہوئے سلاڈ کی پلیٹ اس کے آگے سے اٹھا لی۔

”اب تم کھانے پر بھی پابندی لگا دو۔ پتا ہے ناشتا بھی نہیں کیا میں نے اور دوسرے کو کھانا بھی نہیں کھایا۔ اتنی بھوک لگ رہی ہے۔“ وہ بولنے کے ساتھ ساتھ فرنیچ کھول کر جائزہ لینے لگی مگر کچھ بھی برآمد نہیں ہوا۔

”کیا بات ہے نادیا، کچھ بھی نہیں ہے کھانے کو۔ دوسرے میں کیا پورا محلہ آگیا تھا جو کچھ بھی نہیں بچا۔“ اسے واقعی بہت بھوک لگ رہی تھی۔

”تو اس وقت کھا لیتیں نا۔ ابھی تو ساڑھے چھ بجے ہیں اتنی جلدی تو کھانا بھی نہیں بن سکتا۔“ نادیا چاؤل بھگونے لگی۔

”اب کیا کروں؟ کوئی کچھ لا کر بھی نہیں دے گا۔ ایک تو آج کل اندھیرا بھی کتنی جلدی ہو جاتا ہے اب لگ رہا ہے کہ جیسے رات ہو گئی ہے۔“ وہ جھنجھلا گئی۔

”تھوڑا صبر کرو چندا۔ دو گھنٹے میں بن جائے گا کھانا۔“ بھالی بچن میں آئیں۔

”بھالی! مجھ سے بھوک ایک منٹ بھی برداشت نہیں ہوتی آپ کہہ رہی ہیں کہ دو گھنٹے۔“ وہ ان کے مشورے پر جل گئی۔

”او کے سعد کو کہو برگر لادے گا۔“ بھالی نے آسمان مشورہ دیا۔

”وہ نہیں جائے گا۔ جب اس سے کہو نا تو وہ اکر

”اچھا میں کہہ دیتی ہوں تم اسے بلا کر لاؤ۔“ بھالی بات پر اس نے سر پکڑ لیا۔

”بھالی! پھر تو وہ سمجھ جائے گا آپ دہیں جا کر کہیں اور پلیز میرا نام مت لیجئے گا۔“ وہ بھالی کا ہاتھ پکڑ کر

”اچھا۔“ وہ باہر نکل گئیں تو وہ ان کے پیچھے آگئی۔

”سعد۔“ وہ اب کارپٹ پر بیٹھ کر لٹو کھیل رہا تھا۔ اس کی گود میں بیٹھا ہوا تھا۔

”تی بھالی۔“ وہ ان کی طرف متوجہ ہوا۔

”ایک برگر لادو۔“ وہ صوفے پر بیٹھ گئیں۔

”کس کے لیے؟“

”سعدیہ کے لیے۔“ بھالی روانی میں کہہ گئیں پھر

”ایا کہ سعدیہ نے اپنا نام لینے سے منع کیا تھا جب کہ

”اپنا سر پکڑ کر رہ گئی۔“

”اچھا لاؤں گا مگر ایک شرط پر جس کو برگر کھانا ہے

”بھی ساتھ چلے۔“ وہ مسکرا دیا جانتا تھا کہ بھوک مدیہ کی کمزوری ہے۔

”سعدیہ۔“ بھالی نے اسے وہیں سے آواز دی۔

”ایک تو یہ ہماری بھالی بھی بس۔“ وہ بڑبڑا رہی تھی اور نادیا اس صورت حال پر ہنس رہی تھی۔

”اب جاؤ بھی اس سے پہلے کہ اس کا ارادہ بدل جائے۔“ اس نے جلیا۔

”نادیا کی بچی اس کے ساتھ تو میں کہیں بھی نہ

”ماؤں مگر کیا کروں مجبوری ہے بھوک بہت لگ رہی

”ب۔“ وہ لاؤنج میں آئی تو وہ باہر پورچ میں تھا۔

”بھالی! آپ تو بس۔“ وہ بھالی کو دیکھتی ہوئی باہر

”اٹی۔“

”گاڑی بیٹھنے کے لیے ہوتی ہے دیکھنے کے لیے

”بس۔“ وہ اس کے کھڑے ہونے پر چوت کرتے

”درد اڑہ کھو اوگے تو بیٹھوں گی۔“ اس کے کہنے پر

براہ راست نہ کہہ سکو کل تو بہت لڑ رہی تھیں لڑاکا ماسیوں کی طرح۔“ وہ باہر کے نظارے دیکھ رہی تھی۔

”ہوں کیا کہہ رہے ہو تم میں نے سنا نہیں۔“ وہ شرارت سے انجان بن گئی تو وہ محض اسے گھور کر رہ گیا۔

”یہاں کھاؤ گی یا گھر چل کر۔“ وہ ایک ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی روک کر بولا۔

”یہیں پر۔“ وہ مسٹر برگر کی رونق دیکھ کر چل گئی۔

”چلو۔“ وہ اتر کر گاڑی لاگ کرنے لگا۔ دونوں اندر آکر کونے والی ٹیبل پر پہنچ گئے۔

”کتنی حیرت کی بات ہے نا سعد ابھی سبت بھی

”نہیں بجے اور رونق دیکھو تو ایسا لگ رہا ہے جیسے دس گیارہ بج رہے ہیں ہے نا۔“ وہ ارد گرد لوگوں کو دیکھ کر حیران ہونے لگی۔

”ہوں۔“ وہ آؤر دینے لگا۔

”جلدی کھا لو ورنہ دیر ہو جائے گی۔“ سعد کے جلدی بچانے پر وہ برامان گئی۔

”کیوں تمہیں کیوں اتنی جلدی ہے؟“

”وہ اس لیے میڈم کہ ابو کے آنے کا ٹائم ہو رہا ہے اور مجھے انہیں ایک فائل مکمل کر کے دینی ہے اور یہ کام ان کے آنے سے پہلے ہو جانا چاہئے۔“ وہ جلدی کھا رہا تھا۔

”اور ابھی جو تم غیر کے ساتھ لٹو کھیل رہے تھے تب ضروری کام یاد نہیں آیا تھا۔ آنے دو تایا ابو کو تمہاری شکایت لگاؤں گی۔“ وہ مزے سے برگر کھا رہی تھی۔

”اچھا جی نیکی کر دیا میں ڈال ایک تو تمہیں اپنے قیمتی وقت میں سے بمشکل ٹائم نکال کر برگر کھلانے کے لیے لایا ہوں اور تم ہو کہ اترا رہی ہو دیکھ لوں گا تمہیں۔“ وہ اسے چبانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”تو کس نے کہا تھا برگر کھلانے کے لیے لانے کو۔“

”برگر لا کر دینے کو کہا تھا بھالی نے۔“ وہ اطمینان کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

”اگر میں لا کر دیتا تو پھر کیا کر لیتیں تم؟“

”تو صبر کر لیتی ہیں۔“ وہ اسی اطمینان سے گویا ہوئی۔

”اچھا لگ تو ایسا رہا تھا کہ جیسے تھوڑی دیر گزرے گی تو تم خیر صلا ہو جاؤ گی۔“ سعد بھی ضبط کا مظاہرہ کر رہا تھا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ ارد گرد کا لحاظ کیے بغیر گلاس دے مارے اس کے سر پر۔

”دراصل میری پہلی اور آخری محبت کھانا ہے۔“ اور سعد اسے یوں دیکھنے لگا جیسے اسکی داغی حالت پر شبہ ہو۔

”اور دوسری محبت کون ہے؟ فرمانا پسند کریں گی آپ؟“ وہ گویا ہوا۔ آکس کریم کا پروگرام ٹینسل ہو چکا تھا۔

”کوئی نہیں۔“ اس نے برگر کھالیا تھا۔ سعد نے بھی فوراً ”برگر کھالیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی باتیں سن کر دل جل گیا۔“

وہ لوگ تقریباً ”اٹھ بجے گھر پہنچے بھیا اور تایا ابو آپکے تھے وہ وہیں لاؤنج میں ان کے ساتھ بیٹھ گئی جب کہ سعد اپنے کمرے میں چلا گیا۔ بھالی اور نازیہ کھانا بنانے میں مصروف تھیں۔“

کھانے کے بعد بھی کافی دیر تک باتوں میں مصروف رہے۔ اس نے سب کو سبز چائے بنا کر دی اور خود کمرے میں آگئی ایک دم سے طبیعت مکدر ہو گئی تھی وہ لیٹ کر نہ جانے کیا کیا سوچنے لگی۔

”کیا بات ہے نیند نہیں آرہی۔“ نازیہ جانے کب کمرے میں آئی تو اسے اداس دیکھا۔

”کچھ نہیں۔“ وہ سیدھی ہو گئی۔ ”کچھ تو ہے۔ دیکھو سعدیہ مجھ سے شیر کرو جو بھی تمہارے دل میں ہے میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔“ نازیہ کسی بزرگ کی طرح اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر مشفق لہجے میں بولی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر ایک دم سے اپنا سر اس کے کندھے سے نکا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

”اے سعدو کیا ہوا؟ کسی نے کچھ کہہ دیا کیا؟“ وہ پریشان ہو گئی۔

”نہیں۔“ وہ بمشکل بول پائی۔ ”کیا ہوا؟ ہاں بولو شاباش۔“ وہ اس کا کندھا تھپتھپاتی رہی تھیں۔

”مجھے اماں یاد آرہی ہیں۔“ اس نے آنکھیں رگڑیں۔

”اماں تو مجھے بھی بہت یاد آتی ہیں سچ سعدیہ کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ جیسے وہ ابھی اپنے کمرے سے نکلیں گی اور مجھے ڈانٹیں گی کہ نازیہ تم کتنی پھوہڑ ہو کتنی کاہل ہو۔“ نازیہ کا لہجہ بھرا گیا تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

”نازیہ! تم پلیر روؤ مت۔“ کچھ دیر پہلے وہ اسے چپ کر وارہی تھی اور اب وہ تسلی دے رہی تھی۔ ”اچھا چلو اب سو جاؤ۔“ خواجواہ موڈ آف ہو گیا۔ نازیہ نے اٹھ کر لائٹ آف کر دی۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ سو گئی تھی مگر سعدیہ کو نیند نہیں آرہی تھی کیونکہ وہ اتنی دیر سے ہی سو کر اٹھی تھی۔ وہ ابھی اور آہستہ سے چلتی ہوئی باہر لان میں آگئی۔

کتنی دیر تک وہ شملتی رہی پھر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

وہ اپنی تائی اماں کو اماں کہتی تھیں جنہوں نے انہیں پالا تھا ان کی اپنی امی کا انتقال تو اس وقت ہوا تھا جب وہ چار پانچ برس کی تھیں نازیہ اس سے صرف ڈیڑھ سال بڑی تھی مگر عادات و اطوار میں چار پانچ سال بڑی لگتی تھی اور سمجھ دار بھی تھی۔

سعد بھی ان کا بہت خیال رکھتا تھا جب بھائی بھی اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لیے باہر گئے تھے امی کا انتقال اتنی اچانک ہوا کہ وہ آنے سکے اور جب آئے تو وہ اور نازیہ کلج میں پہنچ گئیں تھیں بھائی نے وہیں شادی کر لی تھی ان کے ساتھ جب ان کی بیگم اور دو بچے آئے تو انہیں بہت شاک لگا مگر بھالی بہت اچھی تھیں جلد ہی وہ لوگ سب بھول گئیں اور سعد بھی آکس جانے لگا۔

ایک دن اچانک ہی تائی اماں بھی انہیں چھوڑ کر اپنی گئیں جس کا سب پر گہرا اثر پڑا کافی دنوں بعد وہ لوگ پہلے نازیہ تو پھر بھی سمجھ دار تھی مگر سعدیہ جس کا تائی اماں کسی چھوٹی سی بچی کی طرح لاڈ اٹھاتی تھیں وہ اب بھی نہ سنبھل سکی اور تائی اماں سے محرومی کا احساس اسے اکثر ٹوٹ کر ہوتا اور وہ خود پر قابو نہ رکھ سکتی تھی۔

آج بھی ایک دم سے اسے تائی اماں کی یاد آئی تھی۔ سوچتے سوچتے نہ جانے کب اسے رونا آگیا۔ ابو بھی تو انہیں چھوڑ کر چلے گئے تھے باپ کی کمی بھی محسوس ہوتی تھی مگر اتنی نہیں کہ انہیں تو انہوں نے دیکھا بھی نہیں تھا بس تصویر کی حد تک آشنائی تھی پہلے ابو گئے پھر امی ان کے بعد تائی اماں بھی چلی گئیں اب تو صرف تایا ابو رہ گئے تھے ان کے سر پر۔ ان کا سایہ سر دل پر سلامت رہے۔

وہ یہی دعا کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی یہ جانے بغیر کہ وہ کافی دیر سے کسی کی نظروں کے حصار میں رہی تھی۔

”نازیہ“ نازیہ کہاں ہو تم؟ تمہارے لیے ایک گڈ نیوز ہے۔ جلدی آؤ۔“ وہ باہر سے ہی چلاتی ہوئی آرہی تھی۔

”ارے بھی کیا ہو گیا؟“ اس نے ایک دم سے نازیہ کو کندھوں سے پکڑ کر گھما دیا۔

”خوش خبری سنو۔ تمہارے دولہا میاں آرہے ہیں۔“ اس نے چمک کر اطلاع دی۔

”کیا مطلب؟“ وہ حیران ہوئی۔

”مطلب یہ کہ ایاز بھائی آرہے ہیں تمہاری ڈولی لینے۔“

نازیہ کا نکاح ان کے دور پار کے کزن سے ایک سال پہلے ہوا تھا۔

نازیہ کو ایاز نے کسی تقریب میں دیکھ کر پسند کیا تھا پھر اپنے کورس کے لیے باہر جانے سے پہلے ہی پروپوزل بھیج دیا۔ تاکہ وہ اس کے واپس آنے تک کسی اور کی نہ ہو جائے نکاح بھی اسی لیے کروا لیا تھا مصروف نے اور

تب سعدیہ سعد وغیرہ نے کتنا چھیڑا تھا اسے۔ ”کب آرہے ہیں؟“ بظاہر اس نے لائق سے پوچھا۔

”اوہو! بی بونل میں لڈو پکھوٹ رہے ہیں اور کتنی انجان بن کر پوچھ رہی ہو کہ کب آرہے ہیں۔“ جیسے ماد بعد آرہے ہیں۔ ”سعدیہ کے کہنے پر اس کا منہ بن گیا۔“ ”کہہ تو ایسے رہی ہو جیسے ابھی آرہے ہیں۔“ وہ

بچن میں چلی گئی۔ ”تو اس بات کا افسوس ہے خیر میں ابھی فون کر کے کہتی ہوں کہ آپ کی نصف بہتر کو آپ کی جدائی ستا رہی ہے۔“ وہ نمبر ڈائل کرنے لگی۔ نازیہ نے اسے دیکھا تو جھپٹ کر ریسیور پٹ دیا۔

”خبردار جو تم نے انہیں فون کیا۔“ اس نے آنکھیں دکھائیں۔

”اوہو! اس میں خوش فہمی سے محترمہ میں ندا کو فون کر رہی ہوں تاکہ ایڈمیشن کا معلوم کروں۔“ وہ اسے منہ چڑا کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔

”ہیلو ندا۔“ وہ وہیں بیٹھ گئی۔

”ارے سعدیہ، شکریہ تمہیں میرا خیال تو آیا۔“ ندا اس کی آواز سن کر شکوہ کرنے لگی۔

”تو افسوس ہوا تمہیں کہ میری آواز سننے کو ملی ہے سعد کی نہیں۔“ وہ چمکی۔

”سعدیہ کی بچی آہستہ کسی نے سن لیا تو۔“ ندا چیخی۔

”توبہ ہے ندا۔ تم تو بہت ڈرتی ہو۔ بات کروں سعد سے۔“ وہ بولی۔

”تو تم نے سعد کو ابھی نہیں بتایا۔ بے وقوف جلدی کرو پتا ہے امی آج کل رشتوں کی چھان بین کر رہی ہیں ان کا بس چلے تو مجھے لی اے بھی کمپلیٹ نہ کرنے دیں۔“ ندا کی آواز میں تشویش تھی جسے محسوس کر کے وہ بھی سنجیدہ ہو گئی۔

”تو کیا تمہاری امی بہت جلدی میں ہیں؟“ ”یار دراصل سارہ باجی کے سرال والے شادی کے لیے جلدی کر رہے ہیں تو امی چاہ رہی ہیں کہ ان کی

شادی کے ساتھ میری متنی بھی ہو جائے تو بہتر ہے پلیز سعدیہ تمہارا ہی آسرا ہے یا ر پلیز تم کچھ کرو۔
”لو کے“ میں آج ہی سعد سے بات کروں گی تم بے فکر رہو اور ہاں ایڈ مشن کا پتا چلا کب سے ہو رہے ہیں۔ اس نے موضوع بدل دیا۔

”نہیں“ سارہ کی دوست ہے نا ایلا۔ وہ کالج جائے گی تو اس سے پوچھ لوں گی تمہیں انعام کروں گی اچھا تم سعد سے بات کرو گی نا۔“ وہ ہنسی ہوئی۔
”اچھا بابا“ پوچھوں گی سعد سے او کے بائے۔
”یہ نا، انہی پنن سے آئی تھی سعد کا نام سن کر ٹھنک گئی۔“

”ابا پوچھوں سعد سے؟“ نادیہ نے پوچھا۔
”تمہیں کیا بتاؤں آپس کی بات ہے۔“ وہ اسے جزا کر کرے میں چلی گئی۔
”بے وقوف۔“ نادیہ وہاں کی سیٹنگ کرنے لگی۔

اس نے سوچا تھا کہ وہ سعد سے رات میں بات کرے گی مگر وہ اس روز دو بجے ہی آفس سے آگیا۔ نادیہ اور بھائی وغیرہ سب لمبی تان کر سو رہے تھے سو تو وہ بھی جاتی مگر مذاکی فکر اسے سونے بھی نہیں دے رہی تھی۔
”لیں۔“ اندر سے ناک کے جواب میں آواز آئی تو وہ اندر آگئی۔

”ارے سعدیہ تم۔“ اسے دیکھ کر وہ حیران ہو گیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔
”کھانا نہیں کھایا تم نے سعد؟“ وہ اسے جو توں سمیت بیڈ پر دراز دیکھ کر بولی۔

”نہیں ابھی تو آتا ہوں کھالوں گا مگر خیریت تم آج کیسے ادھر کی راہ بھول گئیں؟“
”ایک ضروری بات کرنی ہے تم سے کھانا کھا لو پھر۔“

”کیوں کیا کھانا کھائے بغیر بات نہیں ہو سکتی اور اٹی خیر آج سعدیہ صاحبہ مجھ پر یہ مہمان ہیں۔“ وہ اس کے نرم لہجے پر حیران ہوا۔
”بہن بات ذرا لمبی ہے اور اہم بھی یوں سمجھو کہ

تمہاری تو لائری نکل آئی۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
”یا اللہ“ میں بے ہوش ہو نے لگا ہوں۔“ وہ ایکٹنگ کرنے لگا تو سعدیہ نے تکیہ اٹھا کر اس کے منہ پر دے مارا۔

”جلدی آؤ میں کھانا گرم کرتی ہوں۔“ وہ باہر نکل گئی۔
”آ رہا ہوں۔“ لمبی جست لگا کر وہ نیچے اترا اور واش روم میں چلا گیا۔

”ہوں کیا بات ہے؟“ وہ کھانا کھا رہا تھا اور وہ اس کے سامنے بیٹھ کر اس کے کھا چکنے کا انتظار کر رہی تھی۔

”وہ سعدیہ۔“ وہ ہچکچائی۔
”ہاں ہاں بولو شاباش۔“
”وہ سعد تم شادی کب کرو گے؟“ اس کی بات پر اسے اچھو لگ گیا۔

”میں کیا۔ ذرا پھر سے کہو تو سہی یہ میں کیا سن رہا ہوں۔“ وہ حیران ہوا۔
”سیدھی سی بات پوچھی ہے کہ تم شادی کرو گے تو کب کرو گے؟“

”تو آپ کی اس سیدھی بات کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی اچھی لڑکی مل جائے گی تو کروں گا۔“
”تو کب ملے گی تمہیں اچھی لڑکی؟“ وہ بے چین ہوئی۔

”بھی مل جائے گی تمہیں کیوں اتنی فکر ہے؟“ سعد نے اس کی طرف دیکھا۔
”دراصل میں نے ایک لڑکی پسند کی ہے میں تمہاری پسند کے مطابق۔“

”میں تم نے پسند کی ہے اور تمہیں کیا پتا کہ میں پسند کیا ہے؟“ وہ پھر حیران ہوا۔
”بہن آج کل کے لڑکوں کو ایسی لڑکی چاہئے ہوتی ہے جس کے بال لمبے ہوں، قد بھی لمبا ہو، رنگ گورا، آواز اتنی میٹھی اور مدھر کہ کانوں میں گھنٹوں سی بجائیں ہیں نا یہی ہے نا تمہاری پسند۔“ وہ اس سے پوچھنے لگی۔

”ہرگز نہیں محترمہ۔ یہ سب کچھ میری پسند نہیں ہے۔“ وہ تو سیرت زیادہ اچھی لگتی ہے۔“ اس کا منہ بن گیا۔

”پھر تو کام بن گیا وہ سیرت کی بھی بہت اچھی ہے۔“ وہ فیئر۔“ وہ خوش ہو گئی۔
”کیا مطلب؟ کون فیئر ہے کس کی وکالت کر رہی تم؟“ وہ مشکوک ہوا۔

”پہلے تم حامی بھرو پھر بتاؤ گی اس کا نام۔“
”داغ ٹھیک ہے تمہارا ابھی شادی کر رہا ہوں اور میں ایسی لڑکی سے جو تمہاری پسند ہے۔“ اس نے اٹل اڑایا۔

”کیوں کیا برائی ہے میری پسند میں؟“ وہ برا مان گئی۔
”دیکھو تم یہ کام چھوڑو اور اپنی تعلیم پر توجہ دو۔“
”بھیں۔“

”سعد پلیز میں سیرس ہوں۔“ وہ اٹھ گیا۔
”سعد! میں سچ کہہ رہی ہوں وہ بہت اچھی ہے اور تمہیں پسند بھی کرتی ہے۔“ اس کے منہ سے بلا ارادہ اہل گیا تو فوراً زبان دانتوں میں دبائی۔

”کون کس کی بات کر رہی ہو؟“ وہ ہاتھ دھو کر مڑا۔
”وہ۔“ اس کے گھورنے پر الفاظ حلق میں اٹک گئے۔
”میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے۔“ وہ اس کے تہیب آیا۔

”وہ میری دوست ہے۔“ بمشکل آواز نکلی۔
”تمہاری تو بہت ساری دوست ہیں۔“ وہ اپنے کمرے کی طرف چل دیا تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے لپکی کہ کہیں وہ بات ادھوری نہ رہ جائے۔

”سعد پلیز تم اس بات کو مذاق سمجھ رہے ہو۔“
”میں اسے کچھ بھی نہیں سمجھ رہا اور مجھے غیند آرہی ہے۔“ بے نیازی سے کہہ کر وہ دیوار کی طرف مڑ گیا تو اسے بھی غصہ آگیا۔

”آخر تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو ہاں ایک تو میں یہاں بات کر رہی ہوں اور تم ہو کہ خرے ہی کے

جارے ہو۔“ وہ اس کے سامنے آگئی اور غصے سے اسے دیکھنے لگی۔
”آخر تم چاہتی کیا ہو؟“ وہ عاجز ہو گیا۔

”میں چاہتی ہوں کہ تم ندا سے شادی کر لو اس لیے کہ وہ بھی تمہیں پسند کرتی ہے۔“
”کیا مطلب وہ بھی؟ یعنی کہ تمہارے خیال میں میں اسے پسند کرتا ہوں مائی فٹ۔“ وہ پیرچ کر رہ گیا۔

”تو اس میں ایسی کون سی بات ہے۔“ وہ اچھی لڑکی ہے اور تمہیں پسند بھی کرتی ہے۔ اس میں برائی کی کون سی بات ہے اور تمہیں بھی تو کوئی اور لڑکی پسند نہیں ہے سو وہ ہی سہی۔“ وہ اوٹ پٹانگ بول گئی۔

”محترمہ سعدیہ صاحبہ! اگر آپ کسی کی وکیل بن کر آئی ہیں تو سراسر غلط فہمی ہے آپ کی بھی اور ان محترمہ کی بھی جنہوں نے آپ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے اول تو میں کسی کو پسند کرتا ہوں اور دوم۔“ اس نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”اور یہ کہ اگر میں کسی کو پسند نہیں بھی کرتا تو میری پسند ہرگز بھی تمہاری دوست نہیں ہو سکتی مجھے نفرت ہے ایسی لڑکیوں سے جو خود اس طرح کی حرکتیں کرتی ہیں۔“

”کیا مطلب اس طرح کی حرکتیں۔“ محبت کرنا کوئی جرم ہے کیا اور مانڈو اس نے کوئی چیپ حرکت نہیں کی۔ کبھی تمہیں خط لکھایا تھا بھیبھا ہے اس نے وہ تو اب اس کے رشتے کی بات چل رہی ہے تو اس نے مجھے بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں بتاؤں اور۔“

”اور یہ کہ میں اپنا پروڈونل اس کے لیے بھیج دوں۔“ وہ غصے سے آگ بگولا ہو رہا تھا۔
”ہاں میں بھی تو یہی کہہ رہی ہوں۔“ وہ اطمینان سے کھڑی تھی۔

”اف میرے خدا تم میرا داغ خراب کر دو گی۔“ چلو نکلو یہاں سے۔“ اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

”میں اس وقت تک نہیں جاؤں گی جب تک تم ہاں نہیں کرو گے۔“ وہ مسکرائی۔
”تمہارے تو اچھے بھی جا میں گئے۔“ وہ اس کا

ہاتھ پکڑ کر دروازے تک لایا اور باہر دھکیل دیا۔
 ”سعد کے بچے تم تو۔“ مارے غصے سے اس سے
 کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ وہ دروازے کو گھورتی ہوئی اپنے
 اور نادیدہ کے مشترکہ کمرے کی طرف چلی آئی جہاں نادیدہ
 اطمینان سے سو رہی تھی۔ وہ بھی بکٹی بھکتی چادر اوڑھ
 کر لیٹ گئی۔
 شام کو سو کر اٹھی تو موڈ آف تھا۔ کھڑکی سے جھانکا
 تو سعد، غمیر، گریا، ارستے عمر کے ساتھ کرکٹ کھیل رہا
 تھا۔ وہ ہاتھ منہ دھو کر باہر آئی تو نادیدہ بھالی کے ساتھ
 بیٹھی باتیں کر رہی تھی وہ اخبار لے کر کرسی پر بیٹھ گئی۔
 نادیدہ اندر کسی کام سے چلی گئی۔
 ”سعدیہ! تم چل رہی ہو؟“ بھالی اس کے پاس
 آئیں۔
 ”کہاں بھالی؟“ وہ بدستور اخبار میں غم تھی۔
 ”براہر والوں کے ہاں میلاد میں نادیدہ بھی جا رہی
 ہے۔“
 ”نہیں میرا موڈ نہیں ہو رہا۔“ وہ سستی سے بولی۔
 ”اگر ابھی آواز والوں کا فنکشن ہو رہا ہو تو یہی
 سب سے پہلے جاتی۔“ سعد نے طنز کیا اگر اور کوئی موقع
 ہو تا تو وہ اسے منہ توڑ جواب دیتی مگر چپ رہی۔
 ”اچھا میں نادیدہ کے ساتھ جا رہی ہوں اور سنو
 بچوں کو پڑھنے بھیج دیتا۔ ٹائم ہونے والا ہے غمیر، گریا،
 چلو میٹا اندر جاؤ۔“ وہ اسے ہدایات دیتی ہوئی چلی گئیں۔
 ”چلو بچو! اندر جاؤ۔“ سعد نے بیٹھ رکھتے ہوئے
 کہا۔
 ”چاچو ابھی تو بہت ٹائم ہے۔“ عمر نے اعتراض
 کیا۔
 ”ٹائم اینڈ بیری آر ہے ہیں۔“ گریا نے اندر سے
 اطلاع دی اور غمیر، عمر دونوں اندر کی طرف بھاگے۔
 سعد اس کے پاس آکر چیر بریٹھ گیا وہ لائق سے
 اخبار پڑھ رہی تھی۔
 ”آج ایسی کون سی خبر چھپی ہے جو بڑے اٹھاک
 سے اخبار پڑھ رہے ہیں لوگ۔“ اس نے لوگ کو کھینچا
 مگر اس پر اثر نہیں ہوا۔

”آئیں کریم کھانے چلو گی۔“ وہ پھر بھی لڑ
 مس نہ ہوئی۔
 ”اے تم سے کہہ رہا ہوں۔“ اس نے اخبار پھینک
 لیا۔
 ”کیا بد تمیزی ہے یہ۔“ وہ تنگ گئی۔
 ”بد تمیزی نہیں التجا ہے باہر جا رہا ہوں چلنا ہو
 چلو۔“ وہ مسکرایا۔
 ”جب تک تم ہاں نہیں کرو گے تب تک میں تم
 سے بات بھی نہیں کروں گی۔“
 ”اور ہاں میں کبھی کروں گا نہیں۔“ وہ مسکرا کر گویا
 ہوا۔
 ”تو پھر بھاڑ میں جاؤ۔“ وہ اندر چلی آئی اور صوفے
 پر بیٹھ کر کارٹون دیکھنے لگی۔
 وہ زیر لب مسکراتا ہوا باہر چلا گیا۔
 ”یہ کیا بکواس کی ہے تم نے سعد سے۔“ رات کو
 نادیدہ جو کئی کمرے میں آئی اس پر سنا شروع ہو گئی۔
 ”کیا کون سی بکواس؟“ وہ جو بچی نیند میں تھی اس
 کے بری طرح جھنجھوڑنے پر تھلا گئی۔
 ”یہی ندا والی۔“ وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔
 ”اس میں بکواس کی کیا بات ہے صحیح تو کہا ہے میں
 نے ندا اتنی اچھی ہے ویسے ایک بات ہے اس سعد کے
 بچے میں صبر نام کو بھی نہیں ہے۔ دیکھو کو میں نے اس
 سے بات کی اور ابھی اس نے تمہیں بتا بھی دیا ہے۔“
 وہ بات کا رخ موڑ گئی۔
 ”شکر کرو۔ اس نے مجھے بتایا ہے اور کسی کو نہیں
 ورنہ تمہارا سرا اس وقت سلامت نہیں ہوتا۔“ نادیدہ
 غصے میں تھی۔
 ”یا اللہ میری یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آخر میں
 میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی ہے کوئی گناہ کر دیا ہے
 کیا میں نے۔“ اسے بھی غصہ آ گیا۔
 ”سعدیہ کی بچی تمہیں کچھ بتا بھی ہے گھر میں ایسے
 رہتی ہو جیسے مسمان ہو۔“
 ”کیا پتا نہیں مجھے؟“ وہ جھلا گئی۔
 ”یہی کہ تیا ابو نے بھیا سے بات کی ہے تمہاری

مد کی منگنی کی اور بھائی نے ہاں بھی کر دی ہے ایک
 ماہ بعد تم دونوں کی منگنی ہے سمجھیں تم۔“ نادیدہ نے
 دھماکا۔
 ”کیا؟“ جواب میں اس کی لمبی کیا سننے کو ملی۔
 ”کہہ رہی ہو تم۔“ وہ سکتے میں آگئی۔
 ”دیکھا خوشی کے مارے سکتے ہو گیتا۔“
 ”کیا بکواس ہے یہ۔ ایسا بالکل بھی نہیں ہو سکتا
 ہمیں تم۔“ وہ چلائی۔
 ”اب تمہارے چلانے سے کچھ نہیں ہو سکتا ہو گا
 ای جو بھیا چاہیں گے سمجھیں تم۔“ نادیدہ چادر اوڑھ کر
 لیٹ گئی جب کہ وہ غم صم بیٹھی رہی۔
 پھر سر جھٹک کر وہ بھی لیٹ گئی مگر دل میں سوچ لیا
 تھا کہ وہ سعد کے سامنے ہی انکار کر دے کی آخر سمجھتا
 کیا ہے خود کو۔
 ”آیا بڑا تمیں مار دیکھ لوں گی تمہیں تو سعد کے
 بچے۔“ وہ با آواز بلند بڑبڑا رہی تھی۔
 ”خدا کے واسطے اب سو بھی جاؤ اور یہ بڑھکیں تم
 بھیا کے سامنے لگانا۔“ نادیدہ جانتی تھی کہ بھیا سے اس
 کی جان جلتی ہے۔ وہ ویسے بھی بھیا سے بہت کم بولتی
 تھی اس کی وجہ بھائی کا غصہ تھا۔ ان کا خصہ بالکل مایا ابو
 کی طرح تھا۔
 صبح اٹھی تو اس کا موڈ خوشگوار تھا۔ اس کی وجہ یہ
 تھی کہ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ سعد کو صاف انکار
 کر دے گی۔ ناشتا کرنے کے لیے باہر آئی تو پتا چلا کہ
 سعد صاحب تجھے سات دنوں کے لیے لاہور گئے ہوئے
 تھے۔
 وہ ناشتے کے بعد صفائی وغیرہ کرنے لگی۔ نادیدہ
 اپنے سوٹ پر کڑھائی کر رہی تھی جو کہ اس کی دوست
 نے اس کو سکھائی تھی وہ ویسے بھی ان کاموں میں بہت
 باہر تھی ماہر تو سعدیہ بھی تھی لیکن ساری بات موڈ کی
 تھی موڈ ہوتا تو نادیدہ کے حصے کا کام بھی کبھتی اگر موڈ
 نہیں ہوتا تو کوئی بھی کام نہیں کرتی تھی اور اس کی اسی
 عادت سے نادیدہ اور بھالی جڑتی تھیں۔
 کام ختم کر کے میگزین لے کر بیٹھی تو ندا کا فون

آگیا وہ اینڈ مشن کے بارے میں بتا رہی تھی کہ اشارت
 ہو چکے ہیں۔
 ”سعدیہ! تم نے سعد سے بات کی۔“ آخر وہ
 موضوع آئی گیا جس سے وہ بچنا چاہ رہی تھی۔
 ”ندا! میں نے اس سے بات کی ہے۔“ آخر اس
 نے بچ بولنے کی ٹھان لی۔
 ”اچھا تو پھر کیا کہا سعد نے؟“ وہ بے چین ہوئی۔
 ”وہ ندا میں تم سے کلج میں بات کروں گی۔“
 ”اس کا مطلب ہے کہ کچھ گڑ بڑ ہے۔“ ندا کے
 لہجے میں تجسس تھا۔
 ”نہیں وہیں آکر بات کروں گی اوکے بائے۔“ اس
 سے پہلے کہ ندا اور کچھ کہتی اس نے فون رکھ دیا۔
 وہ سوچ میں پڑ گئی تھی کہ ندا کو کل کیا کہے یہ کہ
 سعد نے انکار کر دیا ہے یا یہ کہ اس نے سعد سے بات
 ٹھیک طرح سے نہیں کی اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا
 تھا۔
 کافی دیر تک وہ وہیں بیٹھی رہی پھر اٹھ کر اندر چلی
 آئی۔
 ”کس کا فون تھا؟“ نادیدہ نے اسے دیکھ کر پوچھا۔
 ”ندا اکا۔“ وہ پکین میں رکھے اسٹول پر بیٹھ گئی۔
 ”سعدیہ! یہ تم نے کیا تماشا بنا رکھا ہے ندا کو صاف
 صاف کہہ دو کہ سعد اسے پسند نہیں کرتا اس لیے وہ
 اس کا خیال دل سے نکال دے۔ دیش آل اور ویسے
 بھی سعد کوئی کھلونا تو نہیں ہے کہ ندا کو پسند آ گیا اور تم
 نے اسے اٹھا کر دے دیا۔“ نادیدہ سلا بنا رہی تھی۔
 ”وہ تو ٹھیک ہے نادیدہ مگر میں اسے کہوں کیسے یہی تو
 مشکل ہے۔“ وہ بے چارگی سے گویا ہوئی۔
 ”کیوں کہنے میں کیا باکھی گھوڑے لگتے ہیں یا ہالیہ
 پر چڑھنا پڑتا ہے اس کے لیے کل جاؤ اور صاف صاف
 کہہ دو اگر کہہ نہیں سکتی تو لکھ کر دے دو اسے۔“ نادیدہ
 نے مشورہ دیا۔
 ”میں سوچ رہی ہوں کہ سعد سے ایک مرتبہ پھر
 بات کر لوں۔“
 ”پٹوگی تم اب اس سے پہلے تو برداشت کر لیا اس

”ندا وہ بات یہ ہے کہسے“ پھر اس نے ندا کو سب صاف صاف بتا دیا کہ تاپا ابو نے اس کے لیے سعد ارے میں بھیاسے بات کی ہے۔

”ٹھیک ہے تمہارا بہت بہت شکریہ سعدیہ غلطی
ہی تھی جو کم پر میں نے اعتبار کیا مجھے پہلے ہی سمجھ
ہئے تھا کہ بھلا تم کہاں چاہو گی کہ جس شخص میں

”ارے بھئی یہ سعدیہ کہاں ہیں؟“ تایا ابواسنے نہ
 لیلیہ کر حیران ہوئے اور جواب میں نازیہ نے پوری

”تایا ابو نے سعد کے لیے تمہارا رشتہ مانگا ہے تمہارے بھائی میں اور نادیدہ تو اس رشتے کے حق میں ہیں مگر ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ تمہاری زندگی کا ہے تو سارا اختیار تمہارے پاس ہے اب تم مجھے بتاؤ کہ تمہارا کیا

فیصلہ ہے؟ ویسے ایک خاص بات بتاؤں کہ سعد نے یہ پروپوزل بھیجا ہے اور اس میں وہ بھی انٹرنلڈ ہے۔ اس لیے اپنا فیصلہ سوچ سمجھ کر کرنا۔ ”بھالی نے لمبی بات کی۔

”میرا فیصلہ آپ ابھی سنیں گی یا بعد میں؟“ وہ سنجیدہ تھی۔

”اوہ تو محترمہ نے فیصلہ بھی کر لیا جلدی سے بتاؤ۔“ نادیا نے شرارت کی۔

”ہاں، سعدیہ بتاؤ نا۔“ بھالی خوش ہوئیں۔

”تو بھالی! میری طرف سے انکار ہے۔“ اس نے گویا دھماکا کر لیا۔ نادیا اور بھالی بالکل ساکت ہو گئیں۔

”کیا کہہ رہی ہو سعدیہ؟“ بھالی کو یقین نہیں آیا۔ ”ٹھیک کہہ رہی ہوں بھالی۔ آپ نے میرا فیصلہ سن لیا اب جائے مجھے نیند آرہی ہے۔“ اس نے اجنبیت کی انتہاء کر دی۔

”تمہارا دل غم تو ٹھیک ہے۔“ نادیا نے اسے حیرت سے دیکھا۔

”میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے اور مہربانی فرما کر مجھے سونے دو۔“ سعدیہ نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

”میرا خیال ہے کہ ہم اس موضوع پر صبح بات کر لیں۔“ بھالی نے اٹھتے ہوئے نادیا کو اشارہ کیا۔

”اچھا سعدیہ، شب بخیر۔“ بھالی چلی گئیں تو نادیا بھی لائٹ بند کر کے لیٹ گئی۔

صبح اٹھ کر اس نے سب سے پہلے اپنے کپڑے استری کیے اس کا ارادہ ندا کی طرف جانے کا تھا کہ وہ اس کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

”کیس جانے کا ارادہ ہے کیا؟“ نادیا اندر آئی تو وہ کپڑوں کو ہنگ کر رہی تھی۔

”ہاں! ندا کی طرف جانے کا ارادہ ہے۔“

”آج مت جاؤ بھالی کے ساتھ شاپنگ پر چلی جانا۔“ نادیا نے کہا تو وہ سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

”بھئی وہ ایاز کی امی کا فون آیا تھا وہ تاریخ لینے آرہی ہیں۔“ نادیا کا لہجہ یقیناً اس کے انکار کی وجہ

سے بچا ہوا تھا۔

”تو کیا ایاز بھائی آرہے ہیں؟“

”وہ آچکے ہیں اور تم نے مجھ سے اس دن جھوٹ کیوں بولا تھا؟“ وہ نادیا کے پوچھنے پر ہنس دی۔

”ارے میں نے تو ایسے ہی تمہیں خبر دی تھی اب مجھے کیا پتا تھا کہ تم اتنی بے چینی سے انتظار کر رہی۔“

اپنے ان کا۔ ”وہ شوخ ہوئی تو نادیا جھینپ گئی۔

”میں بھالی سے پوچھتی ہوں۔“ وہ باہر نکلی جب کہ نادیا اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔

”بھالی۔ کب کی تاریخ دے رہے ہیں بھیا؟“

کچن میں مصروف بھالی کے پاس آئی۔

”اگلے مہینے کی۔“ بھالی نے اطمینان سے جواب دیا۔

”ہائیں۔ اتنی جلدی میں نے تو کوئی شاپنگ بھی نہیں کی اور نادیا کی بھی تو شاپنگ باقی ہے۔“ وہ حیران کم اور پریشان زیادہ ہوئی۔

”اسی لیے تو آج سے آغاز ہے شاپنگ کا۔ تم بس تیار ہو جاؤ اس وقت اچھی چیزیں مل جائیں گی۔“ اور وہ فوراً تیار ہونے چل دی۔

پھر دو تین دن اس کے ادنیٰ مصروفیت میں گزر گئے نادیا بہت کم ان کے ساتھ جاتی تھی سو اس کی شاپنگ بھی وہی کرتی تھی اس دن بھی وہ لوگ شاپنگ کر کے لوٹی تھیں۔

نادیا کسی سے فون پر بات کر رہی تھی۔ انہیں دیکھتے ہی خدا حافظ کہہ کر رکھ دیا۔

”کس کا فون تھا؟“ سعدیہ نے پوچھا۔

”سعد کا۔“ نادیا اس کی شاپنگ کو دیکھنے لگی اور وہ بھی اس کو پیکٹ کھول کر دکھانے لگی۔

”سعدیہ۔“ نادیا کھانے کے بعد سونے کے لیے آئی تو وہ کھڑکی پر باہر جھانک رہی تھی۔

”ہوں۔“ وہ بدستور باہر مگن رہی۔

”سعد کا فون آیا تھا۔“ وہ بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

”بتایا تھا تم نے۔“ وہ بھی اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

”تمہارا پوچھ رہا تھا کہ دوبارہ فون کا ایک دہان میں تمہارا فیصلہ سننے کے لیے۔“

”ہاں۔“ سعدیہ کیا تمہیں یہ گھر پسند نہیں آتا؟ اس کی اس بات پر وہ ایک دم سر اٹھا کر اسے

دیکھ گئی۔

”ایا مطلب؟“ وہ اس کی بات سمجھی نہیں تھی۔

”مطلب یہ کہ کیا تم اس گھر میں ہمیشہ کے لیے رہنا چاہتیں؟“

”یہ لیے کہہ سکتی ہو تم۔ مجھے اس گھر سے بہت

محبت ہے اس لیے کہ یہ میرا گھر ہے۔ اس نے میرے

دل پر اور دیا۔

”یہ تمہارا گھر نہیں ہے۔ جہاں تم شادی ہو کر جاؤ

گی۔ یہی ہو گا تمہارا اصلی گھر۔ کیا کی ہے سعد میں۔

”اچھا اب اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کزن ہے۔ بچپن

... ہمارے ساتھ ہے اس کی خوبیوں کا ہمیں پتا ہے

اس کی خامیاں ہمارے ظلم میں ہیں کن باتوں کو وہ پسند

کرے۔ اس کے بارے میں پھر فیصلہ کرنے میں بھگ

ا۔“ وہ تھوڑی دیر رکی۔ ”مگر تم انکار کرتی ہو تو کوئی

... تو تاؤ ہم سب چاہتے ہیں کہ تم اس گھر میں رہو

... یہ تمہارا گھر ہے۔ میرا نہیں میرا تو وہ گھر ہے

... میں میں جاؤں گی تمہارا گھر تو یہی ہے اور اس

... ہاں! یہ بھی خوش ہیں کہ تمہارا یہ گھر واقعی تمہارا ہو

... ہو۔ ہو کیا تم نہیں چاہتی کہ ہمیشہ اس گھر میں رہو

... ہاں! انگوں میں رہو، تمہیں ان لوگوں سے ملنے کے

... وقت نہ نکالنا پڑے یا کسی کی اجازت نہ لینا پڑے۔

... م تو بہت خوش قسمت ہو سعدیہ مان جاؤ نہ صرف تیا

... ہاں! ہم سب تمہاری ہاں کے منتظر ہیں۔“ نادیا نے

... اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ ایسی نظروں سے اس

... کی طرف دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو سوچوں گی اور نادیا

... کہہ کر سونے کی تیاری کرنے لگی وہ بھی سر جھٹک کر

... لیٹ گئی۔

... ندیا بھالی کے ساتھ شاپنگ کرنے نکلی تو واپسی

... اس ندا کی طرف جانے کا کہہ کر بس میں سوار ہو گئی

حالانکہ بھالی نے کہا بھی کہ گھر سے چلی جانا مگر وہ راضی

نہیں ہوئی وہ ندا کو بتانا چاہتی تھی کہ اس نے سعد کا

پروپوزل قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے صرف اس لیے

نہیں کہ وہ سعد کو پسند کرتی ہے بلکہ اس لیے بھی کہ وہ

اپنے لوگوں میں رہنا چاہتی ہے اور سعد اس کا اپنا ہے

اس لیے اسے پیارا ہے۔ وہ یہی کچھ سوچتی ہوئی ندا کے

گھر کی طرف آئی تو گیٹ پر کوئی نہیں تھا۔

اندروں سے ندا کی آواز آرہی تھی وہ بولتی ہی ایسے

تھی کہ باہر گیٹ تک آواز آتی تھی۔ وہ اسے سربراہ

دینے کے خیال سے وہ قدموں چلی آئی پر وہ سر کا کر

جھانکا تو ندا اس کی طرف پشت کے کسی سے فون پر

گفتگو میں مصروف تھی اپنا نام سن کر وہ ٹھٹھک گئی اور

پر وہ برابر کر کے باہر ہی کھڑی ہو گئی۔ جو کچھ وہ سن رہی

تھی اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا یہ ندا کیا کہہ رہی تھی

جسے وہ دوست سمجھتی تھی وہ ہی اس کے بارے میں کیا

کہہ رہی تھی۔

”ہاں فرح! وہ سعدیہ ہے نا ناراض ہو گئی ہے مجھ

سے بھی میں نے ٹھیک ہی تو کہا تھا اس سے بھلا وہ کہاں

چاہے گی کہ سعد میرا ہو جائے لیکن خیر دیکھنا وہ بھی سعد

کے رشتے سے انکار کر دے گی اور جب میرے لیے

سعد کا پروپوزل آئے گا تو میں بھی منع کروں گی کیونکہ

میری منگنی تو ہو چکی ہے پھر وہ سعد کا رشتہ قبول کر لے

گی اور ساری زندگی اسے یہ ہی احساس ستائے گا کہ

اس نے اپنی دوست کے لیے کچھ نہیں کیا شرمندگی کے

احساس سے نہ تو وہ سعد سے نظر ملا پائے گی اور نہ ہی

مجھ سے۔“ یہ کہہ کر وہ ہنسی دسری جانب سے پتا نہیں

کیا کہا گیا کہ وہ پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

”کیسی محبت۔ سعد کو تو میں نے بس ایک دو مرتبہ

ہی دیکھا تھا اور ویسے بھی میں تو یہی سوچ کر اس کے

آگے بڑھی تھی کہ اگر سعد سے میرا رشتہ ہو جاتا تو کیا

پرا تھا، بھی آخر کو اتنے خاصے کھاتے پیتے گھرانے سے

تعلق ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اکلوتا بھی

ہے نہ ساس کاٹنا اور نہ ہی نندوں کا جھنجھٹ۔ بس سر

صاحب کا ہی آسرا تھا اور ساری جائیداد کا مالک سعد اور

ویسے بھی سعدیہ نادیہ نے کون سا ساری عمر میرے سر پر سوار رہنا تھا۔ لیکن خیر اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ وہ تھوڑی دیر کو چپ ہوئی۔

”ہاں خیر ہے۔ راجیل کا کون سا لبا چوڑا خاندان ہے اور سعد کے مقابلے میں کچھ کم ہی سہی مگر پھر بھی بنگلے کا مالک تو ہے ہی۔ میرے تو عیش ہی عیش ہوں گے ایک ہی نند سے وہ بھی کب تک رہے گی پھر تو صرف میرا ہی راج ہو گا۔“ وہ پتا نہیں کیا کیا کہتی رہی مگر وہ تو پہلے جملوں پر ہی اٹک گئی تھی۔

وہ اس کے گھر سے نکلی اور کافی دیر تک خالی دماغ سے اسٹاپ برکھڑی رہی وہ تو جب ہوش آیا جب شام گھری ہونے لگی اس کے ردت کی دو چار بسیں تو نکل چکی تھیں اب وہ کھڑی پریشان ہو رہی تھی۔

بس کافی دیر سے مٹی جس کے نتیجے میں وہ سوا چھ بجے گھر پہنچی سردیوں کا موسم ہونے کی وجہ سے اندھیرا بھی کافی پہلے ہو جاتا تھا۔

نادیہ حسب معمول کسی سے باتیں کر رہی تھیں وہ سمجھ گئی کہ دوسری طرف سعدیہ ہو گا بھی وہ افسردہ سی تھی وہ اندر جانے لگی۔

”لو سعدیہ بھی آگئی۔“ وہ شوق ہو گئی اسے دیکھ کر۔

”سعدیہ! سعد سے بات کر لو۔“ حالانکہ اس کا موڈ نہیں ہو رہا تھا کسی سے بھی بات کرنے کو مگر پھر بھی آ بیٹھی۔

”ہیلو! شیطان کی خالہ۔“ دوسری طرف سے سعد کی زندگی سے بھرپور آواز آئی تو تب اسے محسوس ہوا کہ کتنی اداسی چھائی ہوئی تھی اس کی غیر موجودگی سے۔

”ہیلو! شیطان کے خالو۔“ وہ بھی پرانی جون میں آگئی۔

”ہا! ہا! ہا!۔“ دوسری طرف سے قہقہوں کا طوفان ابل پڑا۔

”اس میں ہی ہا! ہا! کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“ ”بھئی دیکھو میں نے کہا تمہیں خالہ تم نے کہا مجھے

خالو تو اس لحاظ سے تم میری کیا ہو میں؟“ وہ گنگناہٹ سے بھی غلطی کا احساس ہوا مگر سوائے شرمندگی کے کیا ہو سکتا تھا۔

”اچھا چھوڑو یہ بتاؤ کہ فون کیوں کیا ہے؟“ ”تمہارا فیصلہ سننے کے لیے۔“ وہ سنجیدہ ہو گیا۔

”میرا فیصلہ کس بارے میں؟“ وہ انجان بن گئی۔ ”دیکھو سعدیہ! میرا وقت بہت قیمتی ہے اچھا جلدی سے فیصلہ سنا دو ورنہ۔“

”ورنہ۔“ وہ مصنوعی غصے سے بولی۔

”ورنہ تمہارے لیے ایسا رشتہ ڈھونڈوں گا کہ ساری عمر روتی رہو گی۔“ وہ شرارتی ہو گیا۔

”وہ تو خیر میں تم سے شادی کر کے بھی روتی رہوں گی۔“ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”اس کا مطلب ہاں ہے۔“ اس نے چیخ کر کہا۔ ”ہاں۔“ اس نے بھی ہاں کہہ ہی دی۔

”او جیو میری۔“ ”مگر میری ایک شرط ہے۔“ وہ جانتی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے جس بھی جلدی سے بات کالی۔

”کون سی شرط؟“ وہ جستس میں مبتلا ہوا۔ ”وہ یہ کہ ہماری منگنی میں تمہارا دوست آتش شریک نہیں ہو گا۔“

”ارے واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرا دوست شریک نہ ہو۔ ایسے میں جو شرط رکھ دوں کہ تمہاری وہ سہیلی نہ شریک ہو جو بڑی لگن سے مجھے بھائی جان کہتی ہے۔“ سعد نے بھائی جان پر زور دیا۔ ان کے جھگڑے پھر سے شروع ہو گئے تھے۔

”بس! بس! رہنے دو تم لوگ اور تمہیں کس نے حق دیا ہے لوگوں کو بلانے کا یہ فیصلہ ہم کریں گے کہ کس کو بلانا ہے اور کس کو نہیں بلانا اور سعد تمہارا کام یہی ہے کہ تم صرف انکو نشی خرید کر لے آنا او کے بائے۔“ نادیہ نے ریسیور اس کے ہاتھ سے لے کر بیک وقت دونوں کو سدھار دیا۔ فون بند کر کے نادیہ نے سعدیہ کو دیکھا جو بلا مقصد ہی ہنسنے جارہی تھی نادیہ بھی اس کے ساتھ شریک ہو گئی۔

